

سورة البقرة

آيات ٢٢٣ تا ٢٥٣

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ
 اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
 يَشْكُرُونَ ۝ وَفَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ مَنْ ذَا
 الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَصْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ
 وَيَبْصِطُ ۚ وَالْبُيُوتُ تُرْجَعُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَأِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَلْ مِنْ بَعْدِ
 مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
 إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ
 أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا
 قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ
 الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللَّهُ
 يُؤْتِي مَلَكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ
 يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ
 تَحْمِلُهَا الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُم ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۖ فَلَمَّا فَصَلَ
 طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۖ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۖ
 وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۖ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا
 مِّنْهُمْ ۖ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
 وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَفُوا ۖ اللَّهُ ۖ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
 كَثِيرَةً ۚ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّثْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝
 فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ
 مِمَّا يَشَاءُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ
 ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ أَنْتَ لَمَنِ
 الْمُرْسَلِينَ ۚ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ
 بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۚ وَلَوْ
 شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ
 اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَتَلُوا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ
 يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝

اب جو دور کوغ زیر مطالعہ آ رہے ہیں یہ اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں اس جنگ کا تذکرہ ہے جس کی حیثیت گویا تاریخ بنی اسرائیل کے غزوہ بدر کی ہے۔ قبل ازیں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ حضرت موسیٰ d کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد و قتال کیا تو فلسطین فتح ہو گیا۔ لیکن انہوں نے ایک مستحکم حکومت قائم کرنے کی بجائے چھوٹی چھوٹی بارہ حکومتیں بنا لیں اور آپس میں لڑتے بھی رہے۔ لیکن تین سو برس کے بعد پھر یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ جب ان کے اوپر دنیا تنگ ہو گئی اور آس پاس کی کافر اور مشرک قوموں نے انہیں دبا لیا اور بہت سول کو ان کے گھروں اور ان کے ملکوں سے نکال دیا تو پھر تنگ آ کر انہوں نے اُس وقت کے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ یعنی سپہ سالار مقرر کر دیجیے اب ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے۔ چنانچہ وہ جو جنگ ہوئی ہے طالوت اور جالوت کی اس کے بعد گویا بنی اسرائیل کا دور خلافت راشدہ شروع ہوا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ دور جسے میں ”خلافت راشدہ“ سے تعبیر کر رہا ہوں ان کے رسول کے انتقال کے تین سو برس بعد شروع ہوا جبکہ اس امت مسلمہ کی خلافت راشدہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ساتھ متصل ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے جانیں دیں خون دیا قربانیاں دیں اور اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں دین غالب ہو گیا اور اسلامی ریاست قائم ہو گئی۔ نتیجتاً آپ کے انتقال کے بعد خلافت کا دور شروع ہو گیا، لیکن وہاں تین سو برس گزرنے کے بعد ان کا دور خلافت آیا ہے۔ اس میں بھی تین خلافتیں تو متفق علیہ ہیں۔ یعنی حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان e کی خلافت۔ لیکن چوتھی خلافت پر آ کر تقسیم ہو گئی۔ جیسے حضرت علی h خلیفہ رابع کے زمانے میں عالم اسلام منقسم ہو گیا کہ مصر اور شام نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح فلسطین کی مملکت حضرت سلیمان کے دو

بیٹوں میں تقسیم ہو گئی، اور اسرائیل اور یہودیہ کے نام سے دوریاستیں وجود میں آ گئیں۔ قرآن حکیم میں اس مقام پر طالوت اور جالوت کی اس جنگ کا تذکرہ آ رہا ہے جس کے بعد تاریخ بنی اسرائیل میں اسلام کے غلبے اور خلافت راشدہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ درحقیقت صحابہ کرامؓ کو ایک آئینہ دکھایا جا رہا ہے کہ اب یہی مرحلہ تمہیں درپیش ہے، غزوہ بدر پیش آیا چاہتا ہے۔

آیت ۲۴۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ ”کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جو نکل کھڑے ہوئے اپنے گھروں سے“

﴿وَهُمْ اُلُوْفٌ﴾ ”جبکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے“

﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ ”موت کے ڈر کی وجہ سے۔“

یعنی جب کفار اور مشرکین نے ان پر غلبہ کر لیا اور یہ دہشت زدہ ہو کر اپنے ملک چھوڑ کر اپنے گھروں سے نکل بھاگے۔

﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا﴾ ”تو اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ!“

﴿ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾ ”پھر (اللہ نے) انہیں زندہ کیا۔“

یہاں موت سے مراد خوف اور بزدلی کی موت بھی ہو سکتی ہے جو ان پر بیس برس طاری رہی، پھر سیمویل نبی کی اصلاح و تجدید کی کوششوں سے ان کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور اللہ نے ان کے اندر ایک جذبہ پیدا کر دیا۔ گویا یہاں پر موت اور احیاء سے مراد معنوی اور روحانی و اخلاقی موت اور احیاء ہے۔ لیکن بالفعل جسدی موت اور احیاء بھی اللہ کے اختیار سے باہر نہیں اس کی قدرت میں ہے وہ سب کو مار کر بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“

اکثر لوگ شکر گزاری کی روش اختیار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ناقدری کرتے ہیں۔ اب سابقہ امت مسلمہ کے ”غزوہ بدر“ کا حال بیان کرنے سے پہلے مسلمانوں سے گفتگو ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ ان کی ہدایت کے لیے بیان ہو رہا ہے، تاریخ بیان کرنا قرآن کا مقصد نہیں ہے۔ یہ تو محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کی تحریک جس مرحلے سے گزر رہی تھی اور انقلابی عمل جس سٹیج پر پہنچ چکا تھا اس کی مناسبت سے سابقہ امت مسلمہ کی تاریخ سے واقعات بھی لائے جا رہے ہیں اور اسی کی مناسبت سے احکام بھی دیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۲۴۴ ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ ”اور جنگ کرو اللہ

کی راہ میں، اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“
آیت ۲۲۵ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ ”کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا تا رہے۔“

جو اتفاق خالص اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے کیا جاتا ہے اسے اللہ اپنے ذمے قرض حسنہ سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم میرے دین کو غالب کرنا چاہتے ہو، میری حکومت قائم کرنا چاہتے ہو، تو جو کچھ اس پر خرچ کرو گے وہ مجھ پر قرض ہے، جسے میں کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کروں گا۔

﴿وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ﴾ ”اور اللہ تنگ دستی بھی دیتا ہے اور کشادگی بھی دیتا ہے۔“
 اللہ ہی کے اختیار میں ہے کسی چیز کو سیڑ دینا اور کھول دینا، کسی کے رزق کو تنگ کر دینا یا اس میں کشائش کر دینا۔

﴿وَالسَّيِّئُ تَرْجُوْنَ﴾ ”اور اسی کی طرف تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔“
 یہاں دیکھئے جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں چیزوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ جہاد بالنفس کی آخری شکل قتال ہے اور جہاد بالمال کے لیے پہلے لفظ ”اتفاق“ آ رہا تھا اب قرض حسنہ لایا جا رہا ہے۔

آیت ۲۲۶ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَآءِ يَلُ مِنْ بَعْدِ مُوسَى﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا بنی اسرائیل کے سرداروں کے معاملے میں، جو انہیں موسیٰ کے بعد پیش آیا؟“
 ﴿إِذْ قَالُوا لَنَبِيِّ لَّهُمْ أَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”جبکہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجیے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔“

یہاں بادشاہ سے مراد امیر اور سپہ سالار ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نبی کی موجودگی میں بلند ترین مرتبہ تو نبی ہی کا رہے گا، لیکن ایک ایسا امیر نامزد کر دیجیے جو نبی کے تابع ہو کر جنگ کی سپہ سالاری کر سکے۔ میں حدیث بیان کر چکا ہوں کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کوئی نہ کوئی نبی ضرور موجود رہا ہے۔ اُس وقت سیموئیل نبی تھے جن سے سرداران بنی اسرائیل نے یہ فرمائش کی تھی۔

﴿قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ أَنْ تُلْقُوا عَلَى كُفْرِكُمْ الْقِتَالَ إِلَّا تَقَاتِلُوا﴾ ”انہوں نے کہا کہ تم سے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کر دی جائے تو اُس وقت تم جنگ نہ کرو۔“

یعنی ابھی تو تمہارے بڑے دعوے ہیں، بڑے جوش و خروش اور بہادری کا اظہار کر رہے ہو، لیکن کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جنگ کی اجازت بھی لوں اور تمہارے لیے کوئی سپہ سالار یا بادشاہ بھی مقرر کر دوں اور پھر تم جنگ سے کئی کتر جاؤ؟

﴿قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں؟“

﴿وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَانَا﴾ ”جبکہ ہمیں نکال دیا گیا ہے ہمارے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے۔“

دشمنوں نے ان کے بیٹوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو باندیاں بنا لیا تھا اور یہ اپنے ملکوں سے خوف کے مارے بھاگے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اب ہم جنگ نہیں کریں گے تو کیا کریں گے؟

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ﴾ ”پھر جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی“

﴿تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ ”تو سب پیٹھ پھیر گئے، سوائے ان کی ایک قلیل تعداد کے۔“

یہ گویا مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بھی بہت کتبے رہے ہو کہ حضور ہمیں جنگ کی اجازت ملنی چاہیے، لیکن ایسا نہ ہو کہ جب جنگ کا حکم آئے تو وہ تمہیں ناگوار گزرے۔ آیت ۲۱۶ میں ہم یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ﴾ ”تم پر جنگ فرض کی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ • ”اور اللہ ایسے ظالموں سے خوب باخبر ہے۔“

آیت ۲۲ ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ ”اور اُن سے کہا ان کے نبی نے کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔“

ان کا نام تورات میں ساؤل (Saul) آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل نام ساؤل ہو، لیکن چونکہ وہ بہت قد آور تھے اس لیے ان کا ایک صفاتی نام یا لقب ”طالوت“ ہو۔ طالوت کے معنی ”لمبے تڑنگے“ کے ہیں۔

﴿قَالُوا آتِنِي يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے ہمارے اوپر بادشاہت ملے؟“

﴿وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ﴾ ”جبکہ ہم اس سے زیادہ حق دار ہیں بادشاہت کے“

﴿وَلَمْ يُوْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ﴾ ”اور اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی۔“

وہ تو مفلس ہے، اسے تو اللہ تعالیٰ نے زیادہ دولت بھی نہیں دی ہے۔ کیونکہ ان کے معیارات یہی تھے کہ جو دولت مند ہے وہی صاحب عزت ہے۔

﴿قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ﴾ ”نبی نے کہا: (اب جو چاہو کہو) یقیناً اللہ نے اس کو چن لیا ہے تم پر۔“

یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ (Divine Decision) ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اُسی کو تمہاری سرداری کے لیے چنا ہے۔

﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ”اور اسے کشادگی عطا کی ہے علم اور جسم دونوں چیزوں میں۔“

وہ نہ صرف قد آور اور طاقت ور ہے بلکہ اللہ نے اسے علم اور فہم بھی وافر عطا فرمایا ہے اسے امورِ جنگ سے بھی واقفیت ہے۔ تمہارے نزدیک عزت اور سرداری کا معیار دولت ہے، مگر اللہ نے اسے ان دو چیزوں کی بناء پر چنا ہے۔ ایک تو وہ جسمانی طور پر مضبوط اور طاقتور ہے۔ اُس دور میں ظاہر بات ہے اس کی بہت ضرورت تھی۔ اور دوسرے یہ کہ اسے علم، فہم، سمجھ اور دانش دی ہے۔

﴿وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی بادشاہت دے دیتا ہے۔“ اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جس کو چاہے دے وہ جسے چاہے اپنی طرف سے اقتدار بخشے۔

﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ بہت سہمی والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔“ اس کی وسعت اتھاہ ہے، کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، اور وہ بڑا علم رکھنے والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جس کو جو کچھ دیتا ہے بر بنائے علم دیتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

آیت ۲۳۸ ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ ”اور ان سے کہا ان کے نبی نے کہ طاہر کی بادشاہت کی ایک نشانی یہ ہوگی کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا (جو تم سے چھن چکا ہے) جس میں تمہارے لیے تسکین کا سامان ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، وہ صندوق فرشتوں کی تحویل میں ہے۔“

طاہر کی امارت اور بادشاہی کی علامت کے طور پر وہ صندوق تمہارے پاس واپس آجائے گا۔ اصل میں یہ ”تابوتِ سکینہ“ لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق تھا جس میں بنی اسرائیل کے انبیاء کرام f کے تبرکات محفوظ تھے۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ صندوق اب بھی مسجد اقصیٰ کے نیچے سرنگ میں موجود ہے۔ انہوں نے بعض ذرائع سے فوٹو لے کر اس کی دستاویزی فلم بھی دکھا دی ہے۔ یہ ”تابوتِ سکینہ“ حضرت سلیمان d کے تعمیر کردہ ہیکل کے تہہ خانے میں رکھا ہوا تھا اور وہیں پر ربائی (رَبَّانِيَّيْنِ) بھی موجود تھے۔ جب اس ہیکل کو منہدم کیا گیا تو وہ اسی میں دب گئے۔ وہ تہہ خانہ چاروں طرف سے بند ہو گیا ہوگا اور ان کی لاشیں اور تابوتِ سکینہ اس کے اندر ہی ہوں گے۔ تابوتِ سکینہ میں بنی اسرائیل کے لیے بہت بڑی روحانی تسکین کا سامان تھا کہ ہمارے پاس حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون e کے تبرکات ہیں۔ اس میں عصائے

موسیٰؑ بھی تھا اور وہ الواح بھی جو حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر دی گئی تھیں اور جن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔ اس تابوت کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو اسی طرح تسکین ہوتی تھی جیسے ایک مسلمان کو خانہ کعبہ کو دیکھ کر تسکین ہوتی ہے۔ اسرائیلیوں کو جب ان کے پڑوسی ملکوں نے شکست دی تو وہ تابوت سیکینہ بھی چھین کر لے گئے۔ پوری قوم نے اس عظیم سانحے پر ماتم کیا اور اسے بنی اسرائیل سے ساری عزت و حشمت چھین جانے سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ اس سے ان کے حوصلے مزید پست ہو گئے۔ اب جبکہ اسرائیلیوں نے جنگ کا ارادہ کیا اور وقت کے نبی حضرت یموئیل نے طالوت کو ان کا امیر مقرر کیا تو انہیں یہ بھی بتایا کہ طالوت کو اللہ کی طرف سے نامزد کیے جانے کی ایک علامت یہ ہوگی کہ تمہاری تسکین کا سامان ”تابوت سیکینہ“ جو تم سے چھین گیا تھا، ان کے عہد امارت میں تمہیں واپس مل جائے گا اور اس وقت وہ فرشتوں کی تحویل میں ہے۔ ہوا یہ کہ ان کے دشمن جب تابوت چھین کر لے گئے تو وہ ان کے لیے ایک مصیبت بن گیا۔ وہ اسے جہاں رکھتے وہاں طاعون اور دوسری وبائیں پھوٹ پڑتیں۔ بالآخر انہوں نے اسے نحوست کا باعث سمجھتے ہوئے ایک چھکڑے پر رکھا اور بیلوں کو ہانک دیا کہ جدھر چاہیں لے جائیں۔ بیل سیدھے چلتے چلتے اسے بنی اسرائیل کے علاقے میں لے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ فرشتوں کی راہنمائی سے ہوا۔ اس طرح وہ تابوت سیکینہ ان کے پاس واپس پہنچ گیا جو برسوں پہلے ان سے چھین چکا تھا۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ماننے والے ہو۔“

آیت ۲۴۹ ﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ﴾ ”پھر جب طالوتؑ اپنے لشکروں کو لے کر چلے“
 ﴿قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ﴾ ”تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے گا
 ایک دریا سے (یعنی دریائے اردن)۔“

﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي﴾ ”تو جو اس میں سے (پیٹ بھر کر) پانی پیے گا وہ میرا
 ساتھی نہیں ہے۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ ”اور جو اُس میں سے پانی نہیں پیے گا وہ میرا ساتھی ہے“
 ﴿إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ﴾ ”سوائے اس کے کہ کوئی اپنے ہاتھ سے صرف چلو بھر
 پانی لے کر پی لے۔“

اصل میں ہر کمانڈر کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی بھی بڑی جنگ سے پہلے اپنے ساتھیوں کے جوش و
 جذبہ اور عزم و حوصلہ (morale) کو پرکھے اور نظم (discipline) کی حالت کو دیکھے۔ چنانچہ رسول
 اللہ ﷺ نے بھی غزوہ بدر سے قبل مشاورت کی تھی کہ مسلمانو! ایک طرف جنوب سے کیل کانٹے سے لیس

ایک لشکر آ رہا ہے اور دوسری طرف شمال سے مال و اسباب سے لدا پھندا ایک قافلہ آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک تمہیں ضرور ملے گا۔ بتاؤ کدھر چلیں؟ کچھ لوگ جو کمزوری دکھا رہے تھے انہوں نے کہا کہ چلیں پہلے قافلہ لوٹ لیں! اور جو لوگ باہمت تھے انہوں نے کہا حضور ﷺ! جو آپ کا ارادہ ہو جو آپ کی منشا ہو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیے ہم حاضر ہیں! تو یہاں بھی طالوت نے اپنے لشکریوں کا ٹیسٹ لیا کہ وہ میرے حکم کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔

﴿فَشَرِبُوا مِنْهُ﴾ ”تو انہوں نے اس میں سے (خوب جی بھر کر) پانی پیا“

﴿إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ ”سوائے اُن میں سے ایک قلیل تعداد کے۔“

﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ ”تو جب دریا پار کر کے آگے بڑھے طالوت اور

اُس کے ساتھی اہل ایمان“

واضح رہے کہ سب سے پہلی سکریننگ قبل ازیں ہو چکی تھی۔ ان میں سے جو قال ہی کے منکر ہو گئے تھے وہ پہلے ہی الگ ہو چکے تھے۔ اب یہ دوسری چھانی تھی۔ جو اُس میں سے نہیں نکل سکے وہ پانی پی کر بے سدھ ہو گئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہزار آدمی مدینہ منورہ سے نکلے تھے اور پھر عین وقت پر تین سو افراد ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ تو جب طالوت اور اُن کے ان ساتھیوں نے جو ایمان پر ثابت قدم رہے تھے دریا پار کر لیا.....

﴿قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾ ”تو انہوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت

اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔“

جالوت (Goliath) بڑا تو ہی ہیکل اور گرائڈیل انسان تھا۔ زرہ بکتر میں اس کا پورا جسم اس طرح چھپا ہوا تھا کہ سوائے آنکھ کے سوراخ کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہیں تھا۔ اُس کی مبارزت کے جواب میں کوئی بھی مقابلے پر نہیں آ رہا تھا۔

﴿قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا بِاللَّهِ﴾ ”کہنے والوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ انہیں (ایک دن) اللہ سے ملاقات کرنی ہے“ کہ کتنی

مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی اللہ کے حکم سے۔“

سو تم آگے بڑھو ہمت کرو اپنی کم ہمتی کا ثبوت نہ دو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد سے تمہیں فتح حاصل ہو جائے گی۔

﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ”اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

آیت ۲۵۰ ﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾ ”اور جب وہ مقابلے پر نکلے جالوت اور اس

کے لشکروں کے“

بَرَزَ کے معنی ہیں ظاہر ہو جانا، آ منے سامنے آ جانا۔ اب دونوں لشکر میدانِ جنگ میں آ منے سامنے آئے۔ ادھر طالوت کا لشکر ہے اور ادھر جالوت کا۔

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ”تو انہوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر صبر اُنڈیل دے“

”افْرِغ“ کا مفہوم ہے کسی برتن سے کسی کے اوپر پانی اس طرح گرا دینا کہ وہ برتن خالی ہو جائے۔ طالوت اور ان کے ساتھی اہل ایمان نے دشمن کے مد مقابل آنے پر دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کا فیضان فرما، صبر کی بارش فرما دے۔

﴿وَوَسَّيْتُ أَقْدَامَنَا﴾ ”اور (میدانِ جنگ میں) ہمارے قدموں کو جمادے“
﴿وَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور ہماری مدد فرما ان کافروں کے مقابلے میں۔“
یہ دعا گویا اہل ایمان کو تلقین کی جا رہی ہے کہ جب بدر کے موقع پر تمہارا کفار سے مقابلہ ہوگا تو تمہیں یہ دعا کرنی چاہیے۔

آیت ۲۵۱ ﴿فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”تو انہوں نے مار بھگایا اُن کو اللہ کے حکم سے۔“

اہل ایمان نے اللہ کے اذن سے اور اللہ کی مشیت سے دشمنوں کو شکست دی۔

﴿وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ﴾ ”اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا“

یہ داؤد وہی حضرت داؤد d ہیں جو جلیل القدر نبی اور بادشاہ ہوئے۔ ان کے بیٹے حضرت سلیمان d تھے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ایک گڈ رے تھے اور جنگل میں اپنی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک گویا ہوتا تھا جس کے اندر پتھر رکھ کر وہ اس کو گھما کر مارتے تھے۔ نشانہ اتنا صحیح تھا کہ اس سے وہ اپنی بکریوں پر حملہ کرنے والے جنگلی جانوروں کے جڑے توڑ دیا کرتے تھے۔ جب طالوت اور جالوت کے لشکر آ منے سامنے تھے تو داؤد اتفاقاً وہاں آ نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ جالوت للکار رہا ہے کہ ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے؟ لیکن ادھر سب کے سب سہمے کھڑے ہیں، کوئی آگے نہیں بڑھ رہا۔ یہ دیکھ کر اُن کی غیرت کو جوش آ گیا۔ انہوں نے طالوت سے اس کے مقابلے کی اجازت مانگی اور کہنے لگے کہ میں تو اپنے گویے سے شیروں کے جڑے توڑ دیا کرتا ہوں، بھلا اس نامختون کی کیا حیثیت ہے؟ میں ابھی اس کو کفرِ کردار تک پہنچاتا ہوں۔ (واضح رہے کہ ختنہ حضرت ابراہیم d کی سنت ہے اور یہ ملتِ ابراہیمی میں ہمیشہ رائج رہا ہے۔ لیکن کفار اور مشرکین کے ہاں ختنہ کا رواج نہیں تھا۔ چنانچہ ”نامختون“ بنی اسرائیل کے ہاں سب سے بڑی گالی تھی۔) داؤد نے سپہ سالار کی اجازت سے اپنا گویا اور چند پتھر

اٹھائے اور دیوبہکل جالوت کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ جالوت نے ان کا مذاق اڑایا، لیکن انہوں نے اپنے گویے میں ایک پتھر رکھ کر ایسے گھما کر چھوڑا کہ وہ سیدھا آنکھ کے سوراخ سے پار ہو کر اس کے پیچھے کے اندر اتر گیا اور جالوت وہیں ڈھیر ہو گیا۔

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ﴾ ”اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ چاہا اسے سکھا دیا۔“

طالوت نے داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، اس طرح وہ طالوت کے داماد ہو گئے۔ پھر طالوت نے انہی کو اپنا وارث بنایا اور یہ بادشاہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو حکومت و سلطنت بھی عطا فرمائی اور حکمت و نبوت سے بھی نوازا۔ ان دونوں اعتبارات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا۔ یہ سب انعامات اس واقعے کے بعد حضرت داؤد پر ہوئے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ کہ اللہ نے چاہا۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ ”اور اگر (اس طریقے سے) اللہ ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔“

زمین میں جب بھی فساد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کوئی شکل ایسی پیدا کرتا ہے کہ کسی اور گروہ کو سامنے لا کر مفسدوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین میں فساد ہی فساد پھیل گیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگوں کے ذریعہ سے فساد گروہوں کا خاتمہ فرمایا ہے۔ ہر بڑا فرعون جو آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مقابل کسی موسیٰ کو کھڑا کر دیتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر سرکش اور فساد کی لیے کوئی نہ کوئی علاج تجویز کیا ہوا ہے۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ”لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

آیت ۲۵۲ ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنار ہے ہیں حق کے ساتھ۔“

یہ قول گویا حضرت جبرائیل کی طرف منسوب ہوگا۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو سنار ہے ہیں حق کے ساتھ۔ یہ ایک بامقصد سلسلہ ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”اور یقیناً (اے محمد ﷺ) آپ (اللہ کے) رسولوں میں سے ہیں۔“

آیت ۲۵۳ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ ”ان رسولوں میں سے ہم نے بعض

کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

یہ ایک بہت اہم اصول بیان ہو رہا ہے۔ یہ بات قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ ”تفریق بین الرسل“ کفر ہے جبکہ ”تفضیل“ قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت بخشی ہے اور اس اعتبار سے وہ دوسروں پر ممتاز ہے۔ چنانچہ جزوی فضیلتیں مختلف رسولوں کی ہو سکتی ہیں البتہ کلی فضیلت تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔

﴿مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ﴾ ”ان میں سے وہ بھی تھے جن سے اللہ نے کلام فرمایا“

یہ حضرت موسیٰ d کی فضیلت کا خاص پہلو ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ ”اور بعض کے درجات (کسی اور اعتبار سے) بڑھادیے۔“

﴿وَاتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبُيُوتِ﴾ ”اور ہم نے عیسیٰ ابن مریمؑ کو بڑے کھلمعجزے دیے“

﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ ”اور ان کی مدد فرمائی روح القدس (حضرت جبرائیل d)

کے ساتھ۔“

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد آنے

والے آپس میں نہ لڑتے جھگڑتے“

یعنی نہ تو یہودیوں کی آپس میں جنگیں ہوتیں نہ یہودیوں اور نصرا نیوں کی لڑائیاں ہوتیں اور نہ ہی نصرا نیوں کے فرقے ایک دوسرے سے لڑتے۔

﴿مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبُيُوتِ﴾ ”اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آچکی تھیں“

﴿وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا﴾ ”لیکن انہوں نے اختلاف کیا“

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ﴾ ”پھر کوئی تو ان میں سے ایمان لایا اور کوئی کفر پراڑا رہا۔“

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔“

یعنی اگر اللہ تعالیٰ جبراً تکوینی طور پر ان پر لازم کر دیتا تو وہ اختلاف نہ کرتے اور آپس میں جنگ و جدال سے باز رہتے۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ ”لیکن اللہ تو کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس حکمت پر بنایا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی آزمائش ہے۔ چنانچہ آزمائش کے لیے

اُس نے انسان کو آزادی دی ہے۔ تو جو شخص غلط راستے پر جانا چاہتا ہے اسے بھی آزادی ہے اور صحیح راستے پر آنا چاہے اسے بھی آزادی ہے۔

